پاکستانی ادب اور نئے فکری تقاضے

ڈاکٹر محمد عالم خاں

Dr. Mohammad Alam Khan,

Associate Professor, Department of Urdu,

Lahore Garrison University, Lahore.

Abstract:

A writer is a bone of a society. He plays a vital role to promote a society. But Pakistanis writer has no specific aim and he does not know; why he is writing and what is writing. In this article, the problem of Pakistani writer and his role to create new literature is discussed.

کسی بھی زبان کا ادب وہاں کے معاشرے کی تاریخ ہوتا ہے۔ اسی ادب میں معاشرہ خود کو تلاش کرتا ہے۔ ادب کا کام شعور اور لاشعور کی گہرائیوں سے زندگی کے لیے خام مال تلاش کر کے ایسی دنیا تخلیق کرنا ہے جس سے زندگی میں خیر کا اضافہ ہوتا ہے۔ یہی ادب اس معاشرے کی تہذیب اور تمدن کا عکاس ہوتا ہے۔ معاشرے کے عروج و زوال کا تعلق بلاواسطہ طور پر ادیب کے ساتھ منسلک ہوتا ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں:

> ''اگر ادب اور زندگی کے تعلق پر ہم ایمان رکھتے ہیں تو یہ بات آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ اگر معاشرہ زوال پذیر ہے، اگر معاشرے کے پاس اقدار و خیال کا صحت مند نظام باقی نہیں رہا تو اس معاشرے کا ادب بے جان ہوگا۔ اس لیے کہ ایک صحت مند معاشرے میں زندگی کی ہر سطح پر ادیب کے پاس کہنے کے لیے کچھ نہ کچھ ضرور ہوتا ہے۔''(۱)

پاکستان میں سب سے اہم اور بنیادی سوال جو پاکستانی قوم کے فرد کو درپیش ہے وہ اس کی تہذیبی شناخت اور ثقافتی تشخص کا مسئلہ ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ اس سوال نے کہاں سے جنم لیا۔ اگر ہم پاکستانی تاریخ کا جائزہ لیں تو ہمیں پاکستان کا فرد روز اول سے بے بس، غمزدہ، تنہا اور مفلوک الحال دکھائی دیتا ہے۔ ۱۹۴۷ء کے بعد فرد کے خواب چکنا چور ہوئے، شیشوں کا کوئی مسیحا نہ رہا، اسے شہر سنسان دکھائی دینے لگے، محفلیں بے رونق، صبحیں نامہرباں اور شامیں بے مہر محسوس ہونے لگیں۔ بھوک، سماجی عدم تحفظ، بے بسی اور معاشرتی شکست و ریخت نے پاکستانی فرد کا دل ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ وہ اپنی ذات

کے گمشدہ حصوں کو سمیٹنے کے عمل میں بے حال ہو گیا اور وقت کے دیدہ وردوں کی ستم ظریفیوں کے ہاتھوں بار بار اجڑتا رہا، شاہ زوروں کے بھاری بوٹوں تلے پامال ہوتا رہا۔ بے جان حقیر کیڑے مکوڑوں کی طرح۔۔۔اب نہ کوئی خواب رہا نہ کوئی خواب سرا۔لٹ جانے کا المیہ تو تھا ہی لیکن وقت گزرنے کے ساتھ لٹنے کا احساس بھی مر گیا۔فرد کے لیے زندگی موت ہوئی، اس کے نزدیک زندگی اور موت میں فرق باقی نہ رہا اور اگر قدرے تکلف سے کام لیا جائے تو اس طرح کہہ لیجئے کہ فرد زندگی سے دستبردار ہو گیا۔ اس نے ہار مان لی، خواہشات ترک کر دیں، مسائل کے سامنے سر جھکا دیا اور وہ تنہا، الگ تھلگ ہو کر اپنے زخم چاٹنے لگا پھر اس کے بعد سے لے کر آج تک جو کچھ ہوا۔ان حالات میں قوم کی تعمیر و تشکیل کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔مختصر یہ کہا جا سکتا ہے کہ پاکستان کے مخصوص سیاسی و سماجی حالات نے کبھی اس امر کی اجازت نہیں دی کہ پاکستان قوم کی شیرازہ بندی ہو سکے۔ یہ وہ حالات ہیں جنھوں نے بہت ہی اہم قومی سوال کو جنم دیا۔ جو آج کے ادیب کے لیے ایک چیلنج کی حیثیت رکھتا ہے۔

قیام پاکستان کے بعد کی ادبی صورت حال کو دیکھتے ہوئے یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ ہمارے ادیب نے منتشر ہجوم کو ایک مضبوط قوم بنانے میں کوئی کردار ادا نہیں کیا بلکہ نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ادیب نے فرد کو نظریاتی اور فکری اعتبار سے بہت سے حصے بخروں میں تقسیم کر دیا۔اس کے ہاں کوئی مستقل ادبی یا فکری قدر اپنی بھرپور توانائی کے ساتھ کسی قومی سوال کے طور پر ابھر کر سامنے نہیں آتی اسی لئے قیام پاکستان کے بعد کا معاشرہ ہمیں سنگین المیے کی زد میں دکھائی دیتا ہے ۔اس حوالے سے ڈاکٹر بشریٰ پروین کا کہنا ہے:

> ''یہ بات طے ہے کہ قیام پاکستان کے بعد پاکستانی ادیب سکون کے لمحات بہت کم نصیب ہوئے۔ حالات کی جلد تبدیلی سیاسی ومعاشرتی بحران مراعات یافتہ طبقے کے اخلاق غرض ادیب اور شاعر نے ہر حال میں اپنے فرائض کی بجا آوری۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ حالات نے رویے اور زباں میں کڑواہٹ اور سختی ضرور پیدا کی۔''(۲)

اس وقت ضرورت اس امر کی تھی کہ ادیب تبدیلی ملک کے بعد خود بھی تبدیل ہوتا ایک نئی مملکت کے لیے ایک نظریاتی وفکری منشور کو ادب کا موضوع بناتا تا کہ غم زدہ نڈھال اور لٹے پٹے مسافروں کو جائے عافیت نصیب ہوتی اور انھیں ذہنی ونفسیاتی پناہ ملتی، لیکن بدقسمتی سے ادیب نے ایسا نہ کیا اور اگر حقیقت بیانی سے کام لیا جائے تو یہ المیہ اپنی پوری صداقت سے ادب کے ماتھے پر بدنما داغ بن کر ابھرتا ہے کہ ہمارے ادیبوں اور دانشوروں نے قیام پاکستان کے بعد کی صورت حال میں اذیت پسندی، فراریت، اور گریز کے رویوں کو بہت گہرا اور نمایاں کیا ہے، سارے پاکستانی ادب پر ایک مستقل

نوحے کی مضبوط گرفت دکھائی دیتی ہے۔ پاکستانی معاشرے میں زندگی کا روگ اور موت کا سوگ صرف اور صرف ادیب کی غیر ذمہ داری، کوتاہ نظری، اور منافقت کی وجہ سے وقوع پذیر ہوا، اور ادب میں اس کائی زدہ ماحول نے فکری تعفن، اور سماجی گھٹن کی فضا پیدا کر دی۔ عام انسان کا دم گھٹنے لگا اور لوگ دل برداشتہ ہو کر بالاقساط خودکشی کرنے پر مجبور ہوتے رہے۔ یہ مصنوعی عمل نہیں ہے بلکہ ایک فطری عمل ہے جس کے متعلق محمد اشرف چوہدری لکھتے ہیں:

> ''کسی دور کا اس کے مفکروں پر کیا اثر پڑتا ہے یہ ایک الگ موضوع ہے مگر اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہر دور کے اپنے تقاضے ہوتے ہیں۔ یہ منفرد رجحانات اور تقاضے عموماً اپنے دور کے ادیبوں کی سوچ اور فکر پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ ذہنی ارتقا یا انحطاط اقتصادی مشکلات یا آسودگی، اخلاقی اور روحانی دیوالیہ پن، جنگ اور امن، سیاست اور مذہب سب ہی تو مفکروں کی سوچ کا دھارا بدل دیتے ہیں اور ان شہ پاروں میں بھر پور اظہار پاتے ہیں۔'' (۳)

پاکستانی ادب نے فرد کو فکری جلاوطنی کے احساس میں مبتلا کیا، اس نے ماضی پسندی کی روایت سے قوت حاصل کی۔ ادیب نے یہ ادبی بددیانتی محض اس لیے کی کہ اس کے لیے یہ راستہ سہل بھی تھا اور منافع بخش بھی، دوسری صورت میں اسے اپنی مذہبی و فکری وابستگیوں کا از سر نو جائزہ لینا تھا، اور اس پر کچھ لکھتے ہوئے اسے بہت سی فکری ژولیدگیوں کا شرمساری سے اعتراف کرنا پڑتا تھا اور اس کی وجہ سے ادیب کو اپنی سکہ بند حیثیت سے دستبردار بھی ہونا پڑتا۔ پاکستان میں ادیب کے کردار کو اگر حقیقت پسندی سے دیکھا جائے تو ہم بآسانی اس بات کو سمجھ جاتے ہیں کہ اس نے اپنی ''قومی'' شناخت کی دشوار گزار اور کٹھن فکری گتھیوں کو سلجھانے کے عمل سے منحرف ہو کر اپنی ''ذاتی شناخت'' پر زور دیا ہے۔ اس سحر کو توڑتے ہوئے ڈاکٹر جمیل جالبی رقم طراز ہیں:

> ''ہماری نسل ایک ایسے ہی دور سے گزر رہی ہے جہاں ہر چیز کی شکل دھندلا گئی ہے۔ جہاں ہر قدر بے معنی نظر آنے لگتی ہے۔ اور جہاں بے یقینی اور الجھاؤ نے ذہن کو کہر آلود کر دیا ہے۔ جب معاشرہ کا یہ حال ہو تو اسی وقت ادیب کی ذمہ داری اور اس سے حلفِ وفاداری اٹھوانے کے مسائل سامنے آتے ہیں اور یہ معاشرہ کا وہ دور ہوتا ہے جہاں معاشرہ کی عملی قوتوں کے تصورات اور اقدار، ادیب کے تصورات اور اقدار سے مختلف ہو جاتے ہیں۔ جب معاشرہ میں ہم آہنگی ہو تو معاشرہ ادیب کو اور ادیب معاشرہ کو متاثر کرتے رہتے

ہیں۔'' (۴)

ہمارے ادب کا المیہ یہ ہے کہ اس میں ادیب نے نہ تو اپنے ''یوٹو پیائی ہیرو'' کو گھوڑے سے اترنے دیا اور نہ ہی خاک نشینوں کو اٹھ جانے کی تحریک دی، ہمارے ادیب نے پاکستان میں موجود صورت حال کو غنیمت جان کر ''جیسے ہے جہاں ہے'' کی بنیاد پر فارمولا قسم کا ادب تخلیق کیا ہے۔ اس طرح اس نے اپنی مشکل راہ کو آسان تر بنالیا اور ''بات اب تک بنی ہوئی ہے۔''

ہمارے ادیب نے اپنے تئیں مملکت نو کے ادبی و فکری سوال کا گلا گھونٹ کر اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دفن کر دیا ہے، لیکن یہ ممکن ہی نہیں کہ ''سوچ'' قتل ہو جائے اور فکر کو بیڑیاں پہنا دی جائیں۔ یہ ایک تاریخی صداقت ہے جس سے فرار ممکن نہیں ہے۔ اس امر کا ثبوت ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ میں ادیب کی فکری شرکت سے مل جاتا ہے کہ کس طرح کسی عہد کا سوال عصری تقاضا بن کر ادیب کو عملی طور پر شمولیت پر مجبور کر دیتا ہے لیکن یہ قومی وحدت اور فکری یگانگت کی فضا بھی کرفیو کے ہنگامی سائرن کے ساتھ ختم ہوئی۔ سرحدوں پر ''سیز فائر'' ہوتے ہیں ادیب نے بھی اطمینان کا سانس لیا اور وہ اپنے ہاتھ جھاڑ کر دیوار سے ٹیک لگا کر سستانے لگا چنانچہ مشروط المیے کے جلو میں پھر اسی طرح سے ادب تخلیق ہونے لگا۔

پاکستانی ادیب متضاد وفاداریوں، پامال شدہ المیوں، دم توڑی ہوئی قدروں، ہجرت کے نوحوں اور ان گنت سماجی و جذباتی پچھتاووں کا نوحہ لکھ رہا ہے جب کہ اس کے برعکس قوم کی اذیتوں اور دکھوں میں بے حد اضافہ اور شدت پیدا ہو چکی ہے۔ ۱۹۷۱ء کا تاریخی سانحہ مشرقی پاکستان بھی ادب کی فکری اور نظریاتی سفر سے روگردانی کا شاخسانہ ہے۔ ادیب کی اس سے اور بڑی تساہل پسندی اور فکری بد دیانتی کیا ہوگی کہ آج تک اس عظیم قومی سانحے پر کوئی قابل ذکر ادب تخلیق نہیں کیا جا سکا۔ کیا ادیب خود اس جرم میں شریک تھا؟۔۔۔۔ اس کی مسلسل خاموشی اس کے کردار کو مشکوک بنا دیتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس نے اپنے عصری مسائل سے انحراف کر کے ایک المیے میں پناہ لے لی ہے اور قوم کو داخلیت پسندی کی نیند آور گولیوں سے مطمئن کرنے کی کوشش میں مصروف ہے۔

پاکستان کے موجودہ حالات میں بہت سے ادبی سوالات آج کے اسی ادیب سے ہم کلام ہیں۔ جبر و ستم کی رات قدرے ڈھل چکی ہے اور پاکستانی قوم ایک جمہوری معاشرے کی تشکیل میں مصروف عمل ہے۔ نئی سیاسی و سماجی اقدار وقوع پذیر ہو رہی ہیں۔ سماج اپنی کینچلی بدل رہا ہے۔ فکری پناہ گاہوں اور نظریاتی قیام گاہوں کی ادلا بدلی ہو رہی ہے۔ سیاسی وفاداریوں اور سماجی مراعات کے مابین لین دین کی روایت ایک نئے انداز سے متعارف ہو رہی ہے کیا یہ قدرے انقلاب آفریں صورت حال ادیب کے لیے نئے سوالات لے کر سامنے آ رہی ہے؟ کیا موجودہ عصری مسائل ادیب کے ہاں جگہ پا سکیں گے اور ادیب نئی صورت حال کے مطابق اپنے ''تاریخی رویے'' میں تبدیلی کا خواہشمند ہوگا؟ اس

بھیڑ بھاڑ اور فکری نقل مکانی کے حالات میں جو اخلاقی اور سماجی مسائل پیدا ہو رہے ہیں وہ کسی نئے المیے کا پیش خیمہ ثابت نہیں ہوں گے۔ یہ وہ بنیادی باتیں ہیں جو پاکستانی ادب کے حوالے سے ادیب کو طے کرنا ہیں۔

پاکستانی ادب کے المیے کو اگر اس کے محرکات کی روشنی میں دیکھا جائے تو ادیب آج بھی اسی روش کو اپنائے ہوئے ہے جس پر وہ گزشتہ کئی برسوں سے گامزن رہا ہے۔ اور شاید ان حالات میں اس کے لیے یہی ممکن ہے۔ کیونکہ پاکستانی ادب کو پرکھنے کے لیے جو معیارات رواج پا چکے ہیں وہ سرے سے ہی غیر منطقی اور رجعت پسندانہ ہیں جب کہ تخلیق ادب کے لیے نئے فکری و تنقیدی نظام کی ضرورت ہے۔ ذوق میں بیداری کی ضرورت ہے۔ ایسے جذبے کی ضرورت ہے جس کا اظہار پریم چند نے ۱۹۳۶ء میں کیا تھا:

> ''جس ادب سے ہمارا ذوق صحیح بیدار نہ ہو، روحانی اور ذہنی تسکین نہ ملے، ہم میں قوت اور حرکت پیدا نہ ہو ہمارا جذبہ حسن نہ جاگے، جو ہم میں سچا ارادہ اور مشکلات پر فتح پانے کے لیے سچا استقلال نہ پیدا کرے وہ آج ہمارے لیے بیکار ہے۔ اس پر ادب کا اطلاق نہیں ہوسکتا۔''(۵)

پاکستان میں فرد کی صورت حال جس قدر مسخ شدہ اور بے سمتی کا شکار رہی ہے، ہمارے ادیب نے اس کو پیش نظر نہیں رکھا بلکہ وہ اپنے عہد کے تقاضوں کی مخالف سمت میں سفر کرتا رہا ہے۔ چنانچہ یہ وجہ ہے کہ ہمارے ادب نے اجتماعی زندگی میں گریز کی صورت حال پیدا کی اور من حیث القوم ہمارا رویہ زندگی سے انحراف کا رویہ رہا ہے ہمارے ادیب نے قومی تشخص کو اجاگر کرنے میں کوئی کردار ادا نہیں کیا بلکہ اپنی تہذیب سے عدم وابستگی کی کوشش میں مصروف رہا، اس نے کسی قسم کی کوئی قربانی نہیں دی کہ وہ قوم کے دردمند کے طور پر پسند کیا جائے یا اسے پسندیدگی کی نظر سے دیکھا جائے۔ ہمارے ادیب کا اپنے سماج سے براہ راست کوئی مکالمہ نہیں ہے۔ اس کے مخاطب ''اعلیٰ طبقات''، ''عظیم ادبی و علمی شخصیات'' یا ''حاکمین وقت'' رہے ہیں۔ جن سے اس نے اپنی ''سخنوری'' کی داد پائی اور ''ادبی ایوارڈ'' وصول کیے۔ وہ کبھی بھی عوام کے وسیع تر مطالبات کا نمائندہ ادیب نہ بن سکا کیونکہ اس کی سوچ کی دوریاں ان عناصر کے ہاتھوں میں تھیں جو عوام کی خواہشات پر مبنی ادب کی تخلیق کے مخالف ہیں انھیں یہ کام غیر ملکی سامراج نے اپنے مخصوص مقاصد کے حصول کی خاطر سونپا ہے۔ چنانچہ ہمارے ادیبوں کی اکثریت بلاواسطہ یا بالواسطہ طور پر سامراجی عزائم کی تکمیل کا کام سرانجام دے رہی ہے۔ ایسے حالات میں ادیب سے یہ توقع کرنا کہ وہ پاکستان میں حقیقی قومیت کے تصور کو اجاگر کرے گا ایک خود فریبی ہے۔

ہمارے ادب، ادیب اور معاشرے کی صورت حال پیچیدہ ہی نہیں بلکہ تشویشناک بھی ہے۔

اجتمائی طور پر ہم جن مختلف بحرانوں سے گزر رہے ہیں اس نے ادبی المیے میں شدت اور گہرائی پیدا کر دی ہے۔ ایک طرف ہم بحیثیت قوم سیاسی اور سماجی اعتبار سے کھوکھلے پن کا شکار ہیں اور دوسری طرف متبادل ''فکری نظام'' کی تشکیل کا عمل منجمد ہو چکا ہے۔ اب قوم ایک ایسے جزیرے میں ہے جہاں ہر طرح کے امکانات زیست ختم ہو رہے ہیں اور ''فکری رسد'' کا سلسلہ بوجہ منقطع ہو گیا ہے۔ ان حالات میں کسی کا بحیثیت ادیب اپنے آپ کو تسلیم کروانا وقت کی ضرورت بھی ہے اور ایک تاریخی چیلنج بھی۔ کیونکہ ادیب کا سفر اور ادب کا راستہ بہت ہی مشکل ہو گیا ہے۔

پاکستانی ادب کا ایک المیہ یہ بھی ہے کہ اس کی جڑیں اپنی دھرتی میں گہری نہیں ہیں، اور نہ ہی ہمارے ادیبوں اور دانشوروں نے ثقافت کو ادب سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی تمام فکری اور ادبی تحریکیں غیر ملکی اور درآمد شدہ تھیں۔ ہمارے ادب میں ہماری معاشرت نہیں جھلکتی۔ ہمارے ادیب نے اپنے گردوپیش اور ماحول سے ادبی مواد حاصل نہیں کیا بلکہ اس کے ہاں ادبی تحریک خارجی حوالے سے وارد ہوئی ہے، جس کے حوالے سے اس نے اپنے موجود کو تبدیل کرنے کی کوشش کی ہے اور اس امر کا دعویٰ کیا ہے کہ وہ معاشرے میں تبدیلیاں لا رہا ہے۔ لیکن یہ بہت بڑی غلط فہمی ہے جو ہمارے ادب میں رواج پا چکی ہے کہ کسی قسم کا خارجی دباؤ معاشرے میں مثبت تبدیلیاں لانے کے لیے ضروری ہے۔ میرے خیال میں کسی بھی سماج میں انقلابی تبدیلیاں لانے کے لیے اس کی باطنی تحریکوں اور داخلی تضادات کا عنصر بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ اس کے بغیر کسی بھی سماج کو اپنی امنگوں کے مطابق تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔ ہمارے ادب کا فکری سانحہ یہ ہے کہ اس نے تمام تر انحصار معروضی صورت حال پر کیا اور موضوعی صورت حال پر توجہ نہیں دی۔

کسی ملک کی تعمیر و تشکیل کے سلسلے میں اب یہ بات نئی نہیں رہی کہ تعمیر ذات کے بغیر کسی بھی فکری تنظیم ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ مسخ شدہ، منتشر اور بے شناخت افراد کا اجتماع قوم نہیں بن سکتا اور قوم کی بقا تصور قومیت سے ہے اور قومیت مختلف النوع طبقات کی فکری و ثقافتی یگانگت سے جنم لیتی ہے چنانچہ ضرورت اس امر کی ہے کہ پاکستانی ادب کی تخلیق طبقاتی حوالے سے کی جائے اور یہ طبقاتی یکجہتی ہی وسیع تر قومی وحدت کا پیش خیمہ ثابت ہو گی۔ ایک زندہ اور متحرک طبقاتی کلچر ہی پاکستانی ادب و ثقافت کے خدوخال کو نمایاں کر سکتا ہے۔

پاکستان میں تخلیق ادب کے سلسلے میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ بالکل نئے ادیبوں کی کھیپ سامنے آئے جو پاکستانی ادب کو اس کے سیاسی و سماجی تناظر میں دیکھنے کی صلاحیت رکھتے ہوں تا کہ نئے فکری تقاضوں کی روشنی میں متبادل ادب تخلیق کیا جا سکے جو مروج ادبی روایت کے خلاف ایک اعلان نامے کی حیثیت رکھتا ہو۔ ادبی افق پر قومی ادیبوں کی صف بندی کرنا وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔ اسی طرح کسی فکری منصوبہ بندی کے بغیر ادب تخلیق نہیں کیا جا سکتا ہے جس کی پاکستان کے موجودہ

حالات میں سخت ضرورت ہے۔ متوازی اور متبادل ادیبوں کا فکری اتحاد اس امر کی دلالت کرے گا کہ ماضی پرست، رجعتی ادیبوں کے مقابلے میں اس ادبی روایت کو آگے بڑھایا جائے جو قومی جمہوری کلچر کی علمبردار ہو، اور تاریخ کے عمل کو پیچھے دھکیلنے کی بجائے مسلسل ارتقا سے ہمکنار کرتی ہے۔

پاکستانی ادب کی تخلیق اور ارتقا کے سلسلے میں یوں تو بہت سے عناصر کو متحرک کرنے کی ضرورت ہے لیکن یہ مسئلہ خصوصیت کا حامل ہے کہ ادب کو نئے جمہوری تقاضوں سے اہم آہنگ کیا جائے ،اس کی وجہ یہ ہے کہ پاکستان میں موجود جمہوری منظر نامہ عوام کی منشا کے مطابق ہے۔ اس جمہوری سماج میں بہت سی قباحتیں بھی ہیں اور نا قابل برداشت قوتیں بھی۔ جو اس عمل کے منافی سرگرم عمل ہیں لیکن ادیب نے جمہوری عمل کو زندہ اور جاری رکھنے کے لیے اپنا کردار ادا کرنا ہے۔ کیونکہ پاکستان میں یہ تجربہ یقیناً مثبت تبدیلیوں کا پیش خیمہ ہوگا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ افراد، ادارے اور قوم حقیقی جمہوریت کی منزل تک پہنچ جائے گی۔ تمام روشن خیال ادیبوں کو پاکستان کی فکری تنظیم، ادبی خدوخال کے تعین اور قومیت کے تصور کو اجاگر کرنے کے سلسلے میں اپنا تاریخی کردار ادا کرنا ہے تا کہ فرد کے گمشدہ خواب حقیقت کا روپ دھار سکیں اور وہ جیتے جاگتے انسانوں کی سی زندگی گزار سکیں۔ اس کے لیے دیانت فکر، جدوجہد اور نظریاتی وابستگی کی ضرورت ہے۔

حوالہ جات

۱۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، تنقید اور تجربہ، لاہور: یونیورسل بکس، ۱۹۸۸ء، ص: ۳۸

۲۔ بشریٰ پروین، ڈاکٹر، پاکستانی جدید ادب کے عکاس دو ناول، مشمولہ: دریافت، نمل، اسلام آباد، شمارہ نمبر ۱۶، جون تا دسمبر ۲۰۱۶ء، ص: ۲۱۲

۳۔ محمد اشرف چوہدری، ادیب اور اس کا عہد، مشمولہ: پاکستانی ادب (پہلی جلد)، مرتبہ: ڈاکٹر رشید امجد، ایس ٹی پرنٹرز، راولپنڈی، ۱۹۸۲ء، ص: ۶۳۰

۴۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، محولہ بالا، ص: ۵۹

۵۔ پریم چند، مشمولہ: اردو ادب کی تحریکیں، ڈاکٹر انور سدید، کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان، ۱۹۹۹ء، ص: ۷۷

☆......☆......☆